مادری زبان میں تعلیم۔اہمیت وضرورت

کلیدی الفاظ: تعلیم#مادری زبان#ادبِ اطفال#نئی ٹکنالوجی#اخلاقی اقدار# اچھے اساتذہ۔

ڈاکٹر کے۔ایچ۔کلیم اللہ
نائب پرنسپل(اکاڈمک)
صدر،شعبۂ اردو،مظہرالعلوم کالج آمبور،تمل ناڈو

تلخیص: علم اور حصولِ علم نہ صرف یہ کہ شخصی ارتقا کا مستند حوالہ ہوتا ہے بلکہ قوم کی فلاح و ملک وملت کی ترقی کا وسیلہ اور ذریعۂ معاش بھی ہوتا ہے۔ چناں چہ جس قوم میں تعلیم وتعلم کا رواج جتنا عام رہا ہے وہ قوم اتنا ہی زیادہ عظمتوں کے چرخ پر آفتاب ومہتاب بن کر چمکتی اور اپنی علمی ضوفشانیوں سے پوری دنیا کو جگمگاتی رہی ہے،خود اپنے ملکِ عزیز کے شاندار ماضی کا جائزہ لیں اور مغلیہ دورِ سلطنت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہر میدانِ علم کے رجالِ کار اپنی علمی لیاقت اور فنی صلاحیت کے ساتھ اپنی علمیت کا لوہا منواتے اور ان کارہائے نمایاں کے ذریعے اپنی انفرادیت کی دھاک بٹھائے نظر آئیں گے جن کے آن مٹ نقوش صدیاں گزر جانے کے بعد بھی زندہ اور مرورِ ایام کی تہہ در تہہ گرد پڑ جانے کے بعد بھی تابندہ ہیں اور جو ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ ہمارا ماضی کتنا شاندار رہا ہے،ہمیں احساس دلاتے ہیں کہ ہمارا حال کس قدر افسوس ناک ہے اور ساتھ ہی یہ حوصلہ بھی عطا کرتے ہیں کہ ہمارا مستقل پھر سے تابناک ہوسکتا ہے۔

یہ بات اظہر من الشّمس اور محقق ہے کہ اطفال کی ابتدائی تعلیم مادری زبان ہی میں ہونی چاہئے اسی زبان میں اس کا مستقبل بھی ہے۔عظیم دانشوروں نے مادری زبان کو انسان کی غور وفکر کا صحت مند و وسیلۂ اظہار قرار دیا ہے۔مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے اہمیت کو سر سید احمد خاں،علامہ اقبال،سید سلیمان ندوی ، وغیرہ اہلِ علم نے واضح کر دیا ہے کہ

مادری زبان ہی مافی الضمیر کے اظہار کا ایک وقیع ذریعہ ہے۔

خالقِ کائنات نے انسانوں کو جہاں تمام مخلوقات میں سب سے افضل بنایا وہیں ان کے اوپر بہت سی ایسی ذمہ داریاں بھی عائد کر دیں جن سے دوسری مخلوقات کو آزاد رکھا گیا ہے۔ ان ذمہ داریوں کی تفویض کی بنیاد درحقیقت قوتِ ارادی کی مضبوطی، حسِ طبع کی پختگی اور علم و آگہی کی فراوانی پہ رکھی گئی، چناں چہ یہ تمام اوصاف اگر کسی مخلوق میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں تو وہ صرف انسان ہے اور انہی اوصاف و خصوصیات کی وجہ سے انہیں اشرف المخلوقات کے نشانِ امتیاز اور تمغۂ اعزاز سے نوازا گیا، ان امتیازی صاف میں بھی علم کو خصوصی درجہ حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ وجۂ تخلیقِ آدم کے طور پر فرشتوں کے سامنے ان کی علمیت کو ہی پیش کیا گیا تھا۔

اس حقیقت سے بھلا کس صاحب بصیرت کو مجالِ انکار ہوسکتا ہے کہ علم ہی ہمارے تخیلات کو نئی پرواز عطا کرتا ہے، ہمارے ذہن وفکر کے بند دریچوں کو وا کر کے انہیں تفکر و تدبر کی ضیاپاشیوں سے بقعۂ نور میں تبدیل کر دیتا ہے، آنکھوں کو سرمۂ بصیرت سے نوازتا اور طائرِ تعقل کو قوتِ پرواسے ہم رکاب کرتا ہے، جہانِ آگہی کے نت نئے گوشوں سے دل ونگاہ کو متعارف کراتا اور حروف والفاظ کی تہوں میں پوشیدہ گنجینۂ معانی کے رازہائے سربستہ سے واقف کراتا ہے۔ افلاکِ علم وفن پہ موجود رنگارنگ قوسِ قزح سے دل کو نور اور آنکھوں کو سرور بخشتا ہے، ادراک کی پیش قدمیوں کے لیے دیدہ ودل فرشِ راہ کرنے کا سامان فراہم کرتا اور فطرت کے مقفل قصرِ ابیض میں موجود بیش قیمت خزینوں کی ملکیت بخش کرا سے دنیائے رنگ وتاز میں ممتاز کر دیتا ہے۔ یہ وہ حقائق ہیں جن سے کسی بھی ذی عقل کو جرأتِ انکار نہیں ہوسکتی، کیوں کہ یہ ابدی صداقت بھی ہیں اور آفتابِ نیم روز کی طرح واضح وروشن بھی۔

آج روس، کنیڈا، امریکہ، لندن، جرمنی اور فرانس سمیت جتنے بھی ترقی یافتہ مما لک ہیں اگر مجموعی طور پر ان کی شرحِ خواندگی دیکھی جائے تو 99 فی صد، بلکہ بعض مما لک میں تو سو فی صد بھی دیکھنے کو مل جائے گی، لیکن اس کے برعکس اگر ہندوستان، خصو صاً یہاں کے مسلمانوں کے تعلیمی تناسب پر غور کریں تو ایک رپورٹ کے مطابق صرف

58.3 فی صد مسلمان ہی خواندہ ہیں جو ہندوستان میں بسنے والے دوسرے تمام مذاہب کے لوگوں میں سب سے کم ہے۔ یہی شرحِ خواندگی ہے جو ہمیں بحیثیتِ سماج بھی ملکی وملی اور بین الاقوامی سطح پر ترقی یافتہ بناتی ہے اور بناتی ہے اور تعلیم کے تئیں یہی بیداری ہے جو پوری دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرنے اور قائم رکھنے میں معین ومددگار ثابت ہوتی ہے۔ تاہم اس احساس وادراک کے باوجود بھی ہماری تعلیمی پسماندگی بڑھتی ہی جارہی ہے جو قابلِ افسوس بھی ہے اور باعثِ عار بھی۔

حیرت ہے کہ تعلیم و ترقی میں ہے پیچھے
جس قوم کا آغاز ہی "اقراء" سے ہوا تھا

ایک طرف مسلمانوں کی شرح خواندگی روز بروز گھٹتی جارہی ہے، ستم بالائے ستم یہ کہ علوم میں بھی دینی اور عصری کی تفریق کرکے ہمارے نظامِ تعلیم پر کاری ضرب لگائی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو دینی جامعات کے فضلا ہیں وہ عصری علوم سے نابلد ہوتے ہیں اور ان کے لیے دنیاوی امور میں ترقی کے مواقع بہت کم رہتے ہیں اور جو عصری اداروں کے تعلیم یافتہ ہیں انہیں دینی علوم کی کچھ خبر ہی نہیں ہوتی بلکہ ایک تعداد تو ان لوگوں کی بھی ہے جنہیں اسلامی تعلیمات وشرعی احکام کا بھی علم نہیں ہوتا اور وہ مکمل طور پر مغربیت کے آگے مرعوب، بلکہ مفلوج ہوکر رہ جاتے ہیں اور انہیں ترقی کے منازل صرف اور صرف مغربی طرزِ حیات اور ملحدانہ افکار ونظریات میں ہی نظر آنے لگتی ہیں۔

دراصل ہمارے فطری نظامِ تعلیم کی روح کو مجروح کرنے میں دینی اور عصری علوم کی تفریق کا بڑا دخل ہے جو ہمارے متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کی دین ہے۔ انگریزوں نے ہی ایسا نصابِ تعلیم ہمارے اوپر تھوپ دیا تھا کہ جس میں اسلامی علوم کو بالکلیہ خارج کرکے ہمارے صدیوں پرانے تعلیمی نظام کی کایا پلٹ کر ہمارے تاریخی ورثے کو تباہ کردیا تھا تاکہ مسلمانوں کو مکمل طور پر مغربیت زدہ کرکے ذہنی غلامی میں جھونکا جا سکے۔ اسلام کے دائمی اصول، حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین کو جدید رنگ میں رنگ کر اپنے نظام ونصاب کا لازمی حصہ بنالیں تو ہمارا تعلیمی معیار بھی قابلِ رشک ہوگا، ہمارے طلبہ کی ذہنیت بھی اسلامی سانچے میں ڈھلی ہوگی اور ہمارے دینی وعصری اداروں کی

اہمیت وافادیت بھی فزوں تر ہوجائے گی یعنی ؎

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے

عالمی تناظر میں اردو ادب کی کیفیت وحقیقت پر سے پردہ اٹھانے کے لئے، ہمیں چاہئے کہ پہلے یہ جانیں کہ اس طفلی کی مادری زبان کیا ہے؟اس کے لئے مادری زبان کتنی اہمیت کی حامل ہے؟ اس سے اس کی زندگی میں ہمہ جہتی کیا ممکن تبدیلی آسکتی ہے؟ عالمی سطح یا قومی سطح پر اکثریتی مسلمانوں کی مادری زبان اردو ہے۔ یہ مادری زبان کیا ہے؟ مادری زبان وہ زبان ہے جو بچہ اپنی ماں کی گود میں سیکھتا ہے۔لوری سنتا بڑا ہوتا ہے،گھر کے افراد، دوستوں اور گرد وپیش سے سیکھتا ہے۔تہذیب واخلاق بھی مادری زبان میں سیکھتا ہے۔ پھر وہ اسی زبان میں بولتا، لکھتا، سمجھتا، سوچتا اور اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

اردو زبان میں تعلیم پانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ اردو زبان سے جذباتی طور پر وابستہ ہوجاتا ہے۔اس سے ہٹ کر انگریزی یا دیگر زبانوں میں تعلیم پانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ بچہ جذباتی طور پر مفلوج ہوکر رہ جاتا ہے۔ برصغیر میں ویسے بھی مسلمانوں کا جو علمی ورثہ ہے جس میں تہذیب وثقافت، اسلامی ادب،فنون لطیفہ، روایات غرض ہر چیز اردو زبان میں طبع شدہ ہے،اس سے وہ اپنی روحانی غذا بہ آسانی حاصل کرسکتا ہے۔اس طرح کے بیسوں فوائد کی ایک طویل فہرست تیار ہوسکتی ہے۔فی الحال ان سے قطع نظر کرکے دوسرے پہلو پر بھی وقت نظر سے جائزہ لیں تو ایک حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اپنی مادری زبان اردو میں تعلیم پانے والے طالب علم کو یقینی طور پر مسائل درپیش ہوں گے۔

عمومی اور مجموعی طور پر ہندوستان میں غیر معمولی ذہانت رکھنے والے چند طلباء کو اس سے الگ کریں تو دہم جماعت کے بعد مادری زبان اردو میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو یا تو اس کی ریاستی زبان تمل، کنڑا، مراٹھی، ملیالم وغیرہ میں تعلیم پانا ہوگی یا اس کو انگریزی زبان میں تعلیم پانا ہے۔ بدقسمتی سے ان دونوں زبانوں میں اردو طلباء

کمزور واقع ہوئے ہیں۔

بیچارے دہم جماعت کے اردو طالب علم کے سامنے یہ زبان کا مسئلہ مثلِ پہاڑ رخنہ ڈالے گا۔لسانی فارمولے یا پالیسی کے تحت اس بچہ کو صرف ایک مضمون اردو لینا کا اختیار دے کر احسان جتایا جاتا ہے۔ باقی تمام مضامین جو ریاستی زبان یا انگریزی میں پڑھائی جاتے ہیں اس کو ٹھیک سے سمجھنے کے لئے ایک سے ڈیڑھ سال لگ جائیں گی۔ یہ بات بھی تسلیم کی جاسکتی ہے کہ یہ دشواری چند طلباء کو قطعی نہیں ہوگی جو غیر معمولی ذہانت کے حامل ہیں یہ استثنٰی تو ہر معاملے میں ہوگا،لیکن پھر عرض کروں مجموعی طور پر اردو طالبِ علم کو بارھویں جماعت کلاس نکالنا پہاڑ سے جوئے شیر نکال کرلانے کے مترادف ہوگا۔

کم نمبرات یا فی صد پر اعلیٰ درجہ کے کالجس میں داخلہ تو گجا اس کالج یا یونیورسٹی میں قدم رکھنے نہیں دیا جائے گا۔ پھر اوسط درجہ کے کالج میں داخلہ مل بھی گیا تو اس کی مشکلات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ اردو ادب اطفال نے جو مخصوص مضامین منتخب کرلی ہیں ان کے حوالہ جاتی اردو کتب یا مواد ملنا انتہا دشوار ہے۔ جوں توں کر کے ڈگری پا بھی لے تو اگلا مرحلہ مسابقتی و مقابلہ جاتی امتحانات میں ہاتھ پیر مارنے کا ہے اور وہ ہاتھ پیر مارتا نظر آئیگا اس لئے کہ وہاں سوالیہ پرچے یا ریاستی زبان یا انگریزی زبان میں ہوں گے۔ شاذونادر ہی اردو ادب طلباء اس مہم کو سر کرتے اور اعلیٰ عہدوں ہر فائز نظر آئیں گے۔

اردو زبان کی ترقی ترویج اور بقاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ اردو کی خدمت سر انجام دے رہی انجمنیں سرکاری نظامِ تعلیم میں مناسب تبدیلیوں کے لئے آواز بلند کرے۔ وہ تبدیلیاں شمالی ہندوستان کی ریاستوں کے طرز پر انٹرمیڈیٹ ،گریجویشن اور پوسٹ گریجویشن کی تعلیم اردو میں لے جانے کا اہتمام کرے۔ سرکاری غیر سرکاری اداروں میں اردو کے استعمال حق کو عملی بنانے کی کوشش کرے،اس کے لئے پر امن جمہوری مہم چلائی جائے۔ اردو صحافی ،ادیب، شاعر،مضمون نگار اپنی اپنی سطح پر اپنی تحریروں میں عوام کی رائے ہموار کرے۔

خوش آئند بات یہ ہے کہ یو۔ پی۔ ایس۔ سی کے تحت چلائی جانے والے

مقابلہ جاتی امتحانات کے سوالیہ پرچے اردو میں بھی دی جارہے ہیں جس سے الحمداللہ اردو ادب اطفال ماضی قریب میں اعلیٰ عہدوں پر فائز نظر آرہے ہیں۔ یہی طرز ریاستی حکومتیں اپنا کر ریاستی مسابقتی امتحانات اردو میں بھی سوالی پرچہ نکالنے کا اہتمام کرلیں تو کتنی خوش آئندہ بات ہوگی۔

آج جب کہ ہرطرف تنگ دلی اور تنگ نظری کا بازار گرم ہے، آدمی کا شکار ہورہا ہے۔ چوری، ڈکیتی، اغوا، قتل وغارت گری، زنا باالجبر، ذات برداری کی تفریق، فرقہ پرستی، نت نئے گھوٹالے کی واردات غرض ہمارا پورا معاشرہ عجیب بحرانی دور سے گزر رہا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہورہا ہے؟ اس کے کیا اسباب ہیں؟ ہمارا دانشور طبقہ جب اس پر غوروفکر کرتا ہے تو ان کا دماغ بھی اعلیٰ تعلیمی اداروں کے خلفشار اور خستہ حالی کی طرف تو جاتا ہے لیکن ابتدائی تعلیمی اداروں کے بے روح زندگی انہیں اپنی جانب متوجہ نہیں کر پاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ۲۱ ویں صدی میں ہمارے معاشرے کی جوصورت حال ابھر کر سامنے آئی ہے اور اخلاقی پستی میں جوگراوٹ آئی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ ہمارے ابتدائی تعلیمی اداروں اور اطفال ادب میں اخلاقیات کا فقدان ہے۔ جہاں ہم تعلیم بالغان پر بہت توجہ دیتے ہیں ٹیکنیکل ایجوکیشن کی خوب باتیں کرتے ہیں وہیں ہماری توجہ اطفال کے ادب پر بالکل نہیں ہے۔

فارسی مشہور شعر آپ سبھوں نے سنا ہوگا ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج　　تا سریہ می رود دیوار کج

معمار اگر بنیاد میں ایک اینٹ ٹیڑھی ڈال دے تو سرّیا تک بھی دیوار لے جائے گا دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی۔ اس لئے آج ضرورت ہے کہ ادب اطفال ہم پر خصوصی توجہ دیں۔ اگر بچوں کو اسکولوں کے اندر اچھے ساتھی اور اچھے پڑوسی بننے کی تعلیم نہیں ہوئی تو اچھے کیسے بنیں گے۔ اگر اچھے شہری نہ بن سکے تو سچے وطن پرست کہاں سے آئیں گے اور اگر سچے وطن پرست نہ ہوئے تو عالمی شہری کیسے بن پائیں گے لہٰذا یہ اکیسویں صدی کا اہم ترین تقاضہ ہے کہ ہمیں ادب اطفال پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمیں ابتدائی تعلیمی اداروں میں پڑھائی جانے والی زبان، تاریخ، جغرافیہ اور دیگر

مضامین کی درسی کتابوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے سوسالوں میں جوکام ہمارے بدیسی دانشوروں نے ہماری تاریخ کو بدلنے اور قومی احساس کو مجروح کرنے کا کیا ہے۔ وہی کام آج بھی ہندوستان میں کچھ فاشسٹ یا قوم پرست طاقتیں کر رہی ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان کتابوں کو قوم پرور اور صحت مند نظریات کے تحت از سرنو ترتیب دینا ہوگا۔ ہماری درسی کتابیں اور ادبِ اطفال ایسا ہونا چاہئے کہ وہ ہمارے ماضی کی سچی تصویر پیش کر سکے۔ ہماری رنگا رنگ تہذیب کی گل کاریوں سے نئی نسل کو واقف کرائے۔ اس طرح ہمارے طلبہ میں تہذیبی ہم آہنگی پیدا ہوگی اور وہ جذباتی طور پر اپنے آپ کو قوم کا ایک فرد سمجھیں گے اور تبھی انہیں اپنے ملک سے پریم ہوگا یعنی اپنے ہر چیز سے محبت ہوگی۔ ۲۱ ویں صدی کا تقاضہ ہے کہ ہمارا ادب اطفال ایسا ہو جو ہمارے یہاں کے ہر بچے کو خواہ کسی قوم، کسی فرقہ، کسی مذہب، کسی نسل کا کیوں نہ ہو، اس کے اندر محبت کا بیج بو سکے۔ ادب اطفال کے ذریعہ اپنے بچوں کو یہاں کے طرح طرح کے درخت، رنگ برنگ کے پھول سے آشنا کرائیں۔ انہیں بتائیں کہ ہمارا ہندوستان خوبصورت ہے۔ یہاں کے رنگ برنگ کے پھول ہیں۔ ہماری شاعری ہے، ہماری موسیقی ہے، ہماری منصوری ہے، سنگ تراشی ہے۔ ہمارے کشمیر کی برف پوش چوٹیاں ہیں اور کنیا کماری سے پہلو ملاتا ہوا وہ سمندر ہے، ہماری صبح بنارس ہے تو شام، شام اودھ ہے۔ ان سب کے علاوہ اور بہت کچھ ہے ان سب کے پیار سے ہی دیس پریم عبارت ہے۔ ہم ابتدائی اسکولوں میں ایسے ادب کو رائج کریں جس سے طلبہ کے اندر ایسے جذبات پیدا ہوں کہ انہیں اپنے ملک کی ہر چیز سے لگاؤ ہو، اس ملک کا ہر باشندہ انہیں عزیز ہو اگر اس کوشش میں ہم کامیاب ہوگئے تو ہمیں یقین ہے کہ آنے والی نسل خود بخود قومی یکجہتی، بھائی چارے اور عدل وانصاف کے مضبوط رشتوں میں بندھ جائے گی اور اگر ایسا نہیں ہوا تو ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ بنیاد کی کجی عمارت کے آخری حصہ کو قطعی طور پر جھکا دیتی ہے اور ایسی عمارت گر کر ہی رہتی ہے۔ یہ سب اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جب بچہ کو اپنے مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے حق ملے اور وہ اپنے ادب سے مذکورہ بالا گنگا جمنی تہذیب اور قومی یکجہتی کا درس حاصل کرے۔

مادری زبان کے سبب مطالعہ کا شوق بچپن سے پروان چڑھتا ہے۔ بچپن کا

مطالعہ بچوں میں نہ صرف اخلاقی اقدار کو فروغ دینا ہے بلکہ زبان و بیان کی درستگی اورا ظہار کے سلیقے بھی سکھاتا ہے۔ دور حاضر میں ترسیل کے ذرائع بڑھے ہیں۔ کمپیوٹر اور ملٹی میڈیا تعلیمی عمل میں دلچسپی کا سامان فراہم کر رہی ہیں، لیکن بچوں کا وہ وقت جو کہانیاں پڑھنے یا سننے سنانے میں صرف ہوتا تھا۔ اس کی جگہ کارٹون، موویز یا کمپیوٹر گیمس لے چکے ہیں۔ جس کے سبب بچے نہ صرف نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو رہے ہیں، بلکہ اقدار کے زوال کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا معیار بھی پست ہو رہا ہے۔

آج ہم جس دنیا میں رہتے ہیں یہ اکیسویں صدی ہے اور بلا شبہ ڈیجیٹل ورلڈ ہے۔ اس ڈیجیٹل ورلڈ اور انٹرنیٹ نے پوری دنیا کو گلوبل ولیج میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں انٹرنیٹ کا اثر ہر شعبہ ہائے زیست پر ہے تو ادب پر بھی ہے خصوصاً ادب اطفال پر زیادہ ہے۔

کرونا وبا نے بڑوں کے ساتھ بچوں کو بھی بہت متاثر کیا ہے۔ اس وبا نے تعلیمی طریقے کو بالکل بدل دیا ہے۔ اس سے قبل تک اسکول سے والدین کو ہدایت دی جا رہی تھی کہ اپنے بچوں کو اسمارٹ فون، یوٹیوب، ٹیلی ویژن، وڈیو گیم، اور سوشل میڈیا سے دور رکھیں ورنہ ان کی تعلیم بری طرح متاثر ہوگی۔ لیکن کرونا نے ہر بچے کے ہاتھوں میں اسمارٹ فون پکڑا دیا۔ روایتی تعلیم کی جگہ آن لائن تعلیم نے جگہ لے لی۔ لاک ڈاؤن نے اخبارات و رسائل بھی آن لائن کر دیا اور اس کا اثر ہمیں اطفال ادب میں دکھائی دیتا ہے۔

ہر دور کے ماہرین تعلیم و نفسیات کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ماں کی گود ہی بچوں کی ذہنی تربیت گاہ ہوتی ہے اور بچوں کے مستقبل کی تعمیر کی ضامن بھی۔ اسی لیے مادری زبان کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ بچوں کو بچپن میں ادب و اخلاق اور اچھائی و برائی کی جو غذا ملتی ہے وہی غذا مستقبل میں اس کے نیک صالح اور اخلاقی قدروں کی ضمانت بنتی ہے وہ جو کچھ اس عمر میں سیکھتا ہے اس کا اثر اس کی فطرت ثانیہ میں ہوتا ہے۔ یہ وہ غذا ہے جو خون میں تبدیل ہو کر ساری دنیا کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔

بچہ جب اسکول جاتا ہے تو اس کی ذہنی پرورش اور پرداخت اساتذہ کے زیر سایہ ہوتی ہے اور بات ہے کہ آج کے اساتذہ میں خلوص اور دیانتداری کا بے حد فقدان

ہے۔اچھے اور نیک اساتذہ سے ہی بچوں میں جامع اور وقیع کردار واخلاق کی شان وشوکت ممکن ہے۔بچوں کے کرداراورسیرت کوسنوارنے اور بنانے میں اچھے اساتذہ کا بہت اہم رول رہا ہے۔

کتابیات:

ا۔اردو میں ادبِ اطفال ایک جائزہ۔از پروفیسر اکبر رحمانی

۲۔ادب اطفال۔ایک مطالعہ۔ ڈاکٹر بانوسراج

۳۔بچوں کے ادب کی درجہ بندی عمر اور جماعت کے لحاظ سے۔ شمیم سلطانہ

☆☆☆